جامع ترمذی

کتاب :فتنوں کا بیان

باب :اس بارے میں کہ برائی کو نہ روکنا نزول عذاب کا باعث ہے

حدیث نمبر :2168

حدیث نمبر :2168

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيل بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، أَنَّهُ قَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ هَذِهِ الْآيَةَ: يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ سورة المائدة آية 105 وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ .

:ترجمہ

ابو بکر صدیق ؓ کہتے ہیں کہ لوگو !تم یہ آیت پڑھتے ہو » یا أیھا الذین آمنوا علیکم أنفسکم لا یضرکم من ضل إذا اهتدیتم «اے ایمان والو !اپنی فکر کرو گمراہ ہونے والا تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا جب تم نے ہدایت پالی)المائدہ :١٠٥ (اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے :جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں)یعنی ظلم نہ روک دیں (تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا عذاب لوگوں پر عام کر دے ۲؎۔

تخریج دارالدعوہ :سنن ابی داود/ السلام ١٧)٤٣٣٨(، سنن ابن ماجہ/الفتن ٢٠)٤٠٠٥(، ویأتي عند المؤلف في تفسیر المائدة)٣٠٥٧) (تحفة الأشراف :٦٦١٥(، و مسند احمد)٢/١، ٥، ٧، ٩) (صحیح (

وضاحت :۲؎:ابوبکر ؓ کے ذہن میں جب یہ بات آئی کہ بعض لوگوں کے ذہن میں آیت » یا أیھا الذین آمنوا علیکم أنفسکم لا یضرکم من ضل إذا اهتدیتم) «المائدة :١٠٥ (سے متعلق یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ اپنی اصلاح اگر کرلی جائے تو یہی کافی ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری نہیں ہے، تو اسی شبہ کے ازالہ کے لیے آپ نے فرمایا :لوگو !تم آیت کو غلط جگہ استعمال کر رہے ہو، میں نے تو نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، پھر آپ نے یہ حدیث بیان کی، گویا آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ تمہارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں اور برائی سے باز نہ آئیں تو تمہارے لیے یہ نقصان دہ نہیں ہے جب کہ تم خود نیکی پر قائم اور برائی سے بچتے رہو، کیونکہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہایت اہم ہے، اگر کوئی مسلمان یہ فریضہ ترک کر دے تو وہ ہدایت پر قائم رہنے والا کب رہے گا جب کہ قرآن » إذا اهتدیتم « کی شرط لگا رہا ہے۔

قال الشيخ الألباني : صحيح، ابن ماجة)4005(

جامع ترمذی

كتاب: فتنوں کا بیان

باب: بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے بارے میں

حدیث نمبر: 2169

حدیث نمبر: 2169

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ

ترجمہ:

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم معروف (بھلائی) کا حکم دو اور منکر (برائی) سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے پھر تم اللہ سے دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ کی جائے ۱؎۔

امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔

تخریج دارالدعوہ: تفرد بہ المؤلف (تحفة الأشراف: ۳۳۶۶) (صحیح) (سند میں عبد اللہ بن عبدالرحمن اشہلی انصاری لین الحدیث ہیں، لیکن شواہد کی بنا پر یہ حدیث صحیح ہے)

وضاحت: ۱؎: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ جب تک لوگ انجام دیتے رہیں گے اس وقت تک ان پر عمومی عذاب نہیں آئے گا، اور جب لوگ اس فریضہ کو چھوڑ بیٹھیں گے اس وقت رب العالمین کا ان پر ایسا عذاب آئے گا کہ اس کے بعد پھر ان کی دعائیں نہیں سنی جائیں گی، اگر ایک محدود علاقہ کے لوگ اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والے کام سے کلی طور پر رک جائیں تو وہاں اکیلے صرف ان پر بھی عام عذاب آسکتا ہے۔

قال الشيخ الألباني: حسن، المشكاة (5140)

صحیح وضعیف سنن الترمذي الألباني: حدیث نمبر 2169

مسند احمد

کتاب: عبداللہ بن عباس کی مرویات

باب: عبداللہ بن عباس کی مرویات

حدیث نمبر: 2214

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ عَبْد اللَّهِ بْن أَحْمَد وَسَمِعْتُهُ أَنَا مِنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ لَيْثٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُوَقِّرْ الْكَبِيرَ وَيَرْحَمْ الصَّغِيرَ وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَى عَنْ الْمُنْكَرِ

ترجمہ:

حضرت ابن عباس ؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو بڑوں کی عزت نہ کرے، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔

اوران کے درمیان اور کوئی نبی نہیں گزرا ہے۔ یوں انبیاء علیہم السلام تمام کے تمام ایک دوسرے سے بے حد قریب ہیں کیوں کہ وہ آپس میں علاتی بھائی کے مثل ہیں۔ علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں الگ الگ ضرور ہوتی ہیں لیکن باپ ان سبھی کا ایک ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام خدا کی طرف سے جو دین لے کر آتے رہے ہیں وہ دین اپنی اصل اور بنیادی تعلیمات اور عقائد و نظریات کے لحاظ سے ایک ہی رہا ہے۔ البتہ چوں کہ انبیأ مختلف زمانوں اور مختلف حالات اور مختلف قوموں میں مبعوث ہوئے ہیں، اس لیے ان کے فروعی مسائل بھی مختلف رہے ہیں، اس لیے ان کے یہاں فروعی احکام بھی مختلف پائے جائیں گے۔ یہ بالکل ایک فطری بات ہے۔ ایسا ہونا ہی چاہیے۔

اس حدیث نے اس نظریہ کی بالکل تردید کردی کہ دین کئی ہوسکتے ہیں اور وہ سب صحیح بھی ہوں گے۔ وحدتِ ادیان کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ بنیادی اختلافات ہی کی بنا پر متعدد دین کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اگر ان دینوں میں بنیادی اور اصولی اختلاف سرے سے موجود ہی نہ ہو تو انھیں مختلف ادیان کہنا ہی صحیح نہ ہوگا۔ وہ سب ایک ہی دین ہوں گے۔ اس لیے ایسی صورت میں وحدتِ ادیان کا نعرہ بلند کرنے کے بہ جائے وحدتِ دین کی بات کرنی چاہیے۔

مختلف ادیان کے درمیان اگر بنیادی عقائد اور بنیادی تعلیمات میں اختلافات پایا جاتا ہے تو اس صورت میں ان سب ادیان کو حق کہنا صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ حق اور سچائیوں کے باہم ٹکرانے کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

امت مسلمہ کی منصبی ذمہ داری

﴿۱﴾ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَمَنْ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ. اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ. اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ، اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کو تم نے اچھا کہا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کو بُرا کہا اس پر دوزخ واجب ہوگیا۔ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو، تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو، تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔“

تشریح: روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بات ایک خاص موقع پر فرمائی تھی جب کہ صحابہؓ نے ایک گزرتے ہوئے جنازے کی تعریف کی تھی اور ایک جنازے کے متعلق بُری رائے کا اظہار کیا تھا۔ حدیث کا یہ فقرہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے: اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ (تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو)۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اس کے اولین مخاطب ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ درجہ بہ درجہ تمام مسلمانوں یا امت مسلمہ کی حیثیت اس زمین میں شہداء اللہ یعنی خدا کی طرف سے مقرر گواہ یا شاہدِ حق کی ہے۔ شہادت حق یعنی حق کی گواہی دینی مسلمانوں کی منصبی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری کی طرف سے غفلت کسی حالت میں بھی درست نہیں ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ خدا نے جس اہم منصب پر انھیں کھڑا کیا ہے اس سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ وہ اہل عالم کی زندگی کے ہر ایک میدان میں قیادت یا رہنمائی کریں۔ انھیں عملی اور فکری ہر قسم کی گم راہیوں اور ضلالتوں سے نکال کر حق سے آشنا کریں۔ اس شہادتِ حق کی منصبی ذمہ داری کا ذکر قرآن میں بھی واضح الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ

(المائدہ:۸)

”اے ایمان لانے والو، اللہ کے لیے گواہ ہو کر انصاف کی حفاظت کرنے والے بنو۔“

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ:۱۴۳)

”اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک درمیانی امت بنائی ہے تاکہ تم سارے انسانوں پر حق کی گواہی قائم کرنے والے بنو، اور رسول تم پر گواہی قائم کرنے والا ہو۔“

ایک آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

(الحج:۷۸)

”تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم انسانوں پر گواہ ہو۔“

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ فِیْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے علم و یقین میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ اس امت کے لیے ہر صدی کے سرے پر ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔''

تشریح: یعنی دین کو تازہ کرے گا۔ اس کی پژمردگی کو دور کرے گا۔ لوگوں میں ایک نئی روح پھونکے گا۔ ان میں نیا عزم وحوصلہ پیدا کرے گا۔ دین اسلام کی رو سے حضرت محمد ﷺ خدا کے آخری نبی ہیں۔ آپؐ کے بعد اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور نہ کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی پائی جاتی ہے۔ اب اس کے بعد قیامت ہی قائم ہوگی جس میں لوگوں کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ ان میں کون شخص خدا کی بے پایاں رحمتوں کا مستحق ہے اور کون خدا کی نگاہ میں مجرم ہے۔ مجرموں کے حصے میں خدا کے غضب کے سوا اور کچھ بھی نہ آئے گا۔

انسانوں کی رہ نمائی اور ان کی ہدایت کے لیے اصولی طور پر قرآن کافی ہے اور پھر قرآن کے بعد نبی ﷺ کی تعلیمات ہماری رہ نما ہیں۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ سے براہ راست فیض یاب ہونے والے صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بھی ہمارے لیے روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ وقت بدل جاتا ہے اور زمانے کی روش میں تبدیلی آجاتی ہے لیکن اس سب کے باوجود انسان کی اخلاقی و روحانی اور نفسیاتی ضروریات نہیں بدلتیں۔ اس لیے قیامت تک کے لیے انسان کی ہدایت کے لیے قرآن اور نبی ﷺ کی تعلیمات کافی ہیں۔ اس سے انکار نہیں کہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں نمایاں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور نئے نئے مسائل اور معاملات سے دنیا کو سابقہ پیش آتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری نہیں کہ اصل دین میں کوئی تبدیلی لائی جائے اور اس کی تعلیمات پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی جائے۔ ضرورت اگر ہوتی تو صرف اس کی کہ دین کی تجدید ہوتی رہے یعنی نئے حالات اور جدید پس منظر میں دین، اس کے تقاضوں، اس کی عملی صورتوں اور اس کی تطبیق (Applications) کو سمجھا جائے۔ تاکہ نئے حالات میں دین کے استحکام اور اس کی اقامت کے تقاضے پورے ہوسکیں۔ یہ وہ عظیم مقصد ہے جس کے پیش نظر اس حدیث میں یہ وعدہ فرمایا گیا ہے کہ زمانے کی ہر ایک صدی کے

سرے پر امت مسلمہ میں ایسے مجدد پیدا ہوں گے جو دین کی تجدید کا فریضہ انجام دیں گے۔ وہ دین کے استحکام کے لیے سعیٔ بلیغ کریں گے۔ لوگوں کے فکر و عمل میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہوں گی وہ ان خرابیوں اور ان بدعات سے دین کو پاک کریں گے اور امت کی مشکلات کو رفع کریں گے۔ وہ دنیا کے سامنے بالعموم اور امت کے سامنے بالخصوص دین کو نکھار کر پیش کریں گے۔ دین حق ان کے ذریعہ سے ہمیشہ تر و تازہ ہوتا رہے گا اور اس پر کسی قسم کی کہنگی طاری نہ ہو سکے گی۔ وہ ان شکوک و شبہات کو بھی رفع کریں گے جو حالات اور زمانے کے پیدا کردہ ہوں گے۔ وہ اپنے علمی و فکری اور عملی کارناموں سے یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ اسلام کوئی جامد اور غیر متحرک نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اسلام ایک حرکی (Moving) دین ہے جو اپنے اندر ارتقائی شان لیے ہوئے ہے۔ انسان کی علمی و فکری سطح کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو جائے اور اس کی تحقیقات و تجربات میں غیر معمولی اضافہ کیوں نہ ہو جائے، خدا کی رہ نمائی کا ضرورت مند وہ ہمیشہ رہے گا۔ دین ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتا۔ سیرت و کردار کی تعمیر دین کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے تمام ہی شعبوں میں خواہ اس کا تعلق معاشرت سے ہو یا معیشت اور سیاست سے اسلام انسان کی صحیح رہ نمائی کرتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ نبی ﷺ کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ ہر دَور میں امت میں ایسے مجدد دین پیدا ہوئے جنھوں نے تجدید دین کی عظیم خدمت انجام دی اور آیندہ بھی ایسے مجدد پیدا ہوں گے جو یہ خدمت انجام دیں گے۔ حضور ﷺ نے ایک اہم پیشین گوئی یہ بھی فرمائی ہے کہ امتِ مسلمہ میں لازماً ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور حق کے لیے سرگرم عمل رہے گا۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ پوری کی پوری امت راہِ حق سے برگشتہ ہو جائے اور حق محض ماضی کا افسانہ بن کر رہ جائے۔ دین حق (اسلام) ہمیشہ اپنی مکمل اور مستند (Authentic) شکل میں موجود رہے گا۔ کل خدا کے یہاں کسی کا یہ عذر ہرگز قابلِ سماعت نہ ہوگا کہ اسے تو حق کی طلب تھی لیکن دنیا میں کہیں حق کا وجود باقی ہی نہیں رہ گیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ آج اسلام کے سوا دیگر مذاہب غیر مستند ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان میں ایسی متضاد، غیر علمی اور عقل و انصاف کے خلاف باتیں پائی جاتی ہیں جو اس بات کا بیّن ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ وہ نہ تو مستند ہیں اور نہ ان کی پیروی ہی کی جا سکتی ہے۔ وہ لوگوں کو حق سے آشنا تو کیا کرتے وہ لوگوں کو حق سے برگشتہ کرنے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ لیکن اسلام کی شکل

میں حق آج بھی تشنگانِ حق کے لیے روشن اور تاباں ہے۔ اہل باطل آج خائف ہیں تو اسی سے۔ وہ اس کی دشمنی میں نہایت بے باکی کے ساتھ اخلاقی حدود تک کو پامال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں اس پہلو سے بھی غور کرلیں۔ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں گہری تبدیلیاں آتی ہیں۔ نئے نئے قسم کے مسائل و معاملات سے لوگوں کو سابقہ پیش آتا ہے۔ قرآن ایک مخصوص زمانے میں نازل ہوا ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات و ہدایات بھی بہ ظاہر ایک خاص دور اور خاص قسم کے ماحول سے تعلق رکھی ہیں۔ چناں چہ قرآن اور نبی ﷺ کی تعلیمات و ہدایات میں زمانے کی چھاپ نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے مجددین یا علماء ان سے مختلف قسم کے حالات میں جن میں قرآن کا نزول ہوا ہے اور جن میں نبی ﷺ نے اپنے پیروؤں کی رہ نمائی فرمائی ہے، کیوں کر منشائے خداوندی کو سمجھنے میں کام یاب ہوں گے اور نہ صرف یہ کہ وہ امت مسلمہ کی صحیح رہ نمائی کریں گے بلکہ عملاً دنیا کو یہ دکھا دیں گے کہ اسلام کوئی جامد مذہب نہیں ہے کہ وہ زمانے کا ساتھ نہ دے سکے۔ وہ ہمیشہ اور ہر دور میں انسان کی رہ نمائی کرے گا اور اسے کبھی بھی از کار رفتہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگلی حدیث یہی بتاتی ہے کہ حالات خواہ کتنا ہی کیوں نہ بدل جائیں انسان کی ہدایت کے لیے اسلام کافی ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہوگی کہ دین میں فکر و اجتہاد اور تفقہ سے کام لیا جائے۔ اسلامی تعلیمات کی جامعیت اور اس کے فکر کی گہرائیاں ہمیشہ ہماری رہ نما رہیں گی۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَهٗ اِلَی الْیَمَنِ قَالَ: کَیْفَ تَقْضِیْ اِذَا عَرَضَ لَکَ قَضَاءٌ؟ قَالَ اَقْضِیْ بِکِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ. قَالَ: فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَجْتَهِدُ رَاْیِیْ وَلَا اٰلُوْ: قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی صَدْرِهٖ وَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا یَرْضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

(الترمذی، ابوداؤد، الدارمی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں یمن بھیجا تو دریافت فرمایا: ”جب تمھارے سامنے کوئی معاملہ اور قضیہ پیش ہوگا تو اس کا فیصلہ کس طرح

کروگے؟'' انھوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر کتاب اللہ میں (صراحۃً) تمھیں اس کے متعلق کوئی حکم نہ ملے؟'' انھوں نے عرض کیا کہ پھر میں اللہ کے رسول کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اور اگر اللہ کے رسول کی سنت میں بھی تمھیں اس کے بارے میں حکم و ہدایت نہ مل سکے؟'' انھوں نے عرض کیا کہ پھر میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لے کر اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے کو ٹھونکتے ہوئے شاباشی دی اور فرمایا: حمد اور شکر ہے اس اللہ کے لیے جس نے رسول اللہ کے فرستادے کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی جو رسولِ خدا کو پسند ہے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کی فکر اور عقل کو بھی دین میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ دین کی بنیادی تعلیمات اور اس کے اصولوں کی روشنی میں عقل و فہم سے کام لے کر اہل علم ان مسائل کو بآسانی حل کر سکتے ہیں اور وہ ان معاملات اور قضایا کے فیصلے بھی کر سکتے ہیں جو بالکل ہی نئے قسم کے ہوں گے۔ جن کا ذکر کتاب و سنت میں نہ صراحۃً کیا گیا ہے اور نہ کیا جا سکتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو کتاب و سنت کے علم اور تفقہ فی الدین میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ وہ اس بات کو بہ خوبی جانتے تھے کہ کوئی فیصلہ طلب معاملہ اگر سامنے آتا ہے تو سب سے پہلے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر وہاں ہمیں کوئی واضح ہدایت نہ مل سکے تو پھر کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد اور قیاس سے کام لے کر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے نبی ﷺ کے سوالات کے جو جوابات دئے ہیں وہ منشائے دین اور اسلامی مزاج کے عین مطابق تھے اسی لیے نبی ﷺ نے اظہار مسرت فرمایا۔

محدثین کے نزدیک اس حدیث کی سند قوی نہیں۔ لیکن درایۃً اس حدیث کی صحت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ امت کے ہر دور میں فقہاء و مجتہدین نے اس حدیث کی بنیاد پر ایسے ہزاروں مسائل حل کیے ہیں جن کے متعلق کتاب و سنت میں واضح طور پر کوئی ہدایت موجود نہ تھی۔